گلہائے رنگا رنگ

فیہ ما فیہ کا ایرانی بدیعی ایڈیشن

ایک طالبِ علم کی نظر میں

(۱)

جناب مولانا مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی

یہ نسخہ ایرانی فاضل بدیع الزمان فروزانفر نے شوق اور محنت اور بڑی محبت سے مرتب کیا ہے، اس پر مفصل حواشی وتعلیقات کا اضافہ کیا ہے، اس نسخہ کو تہران یونیورسٹی نے اپنے مصارف اور اپنے اہتمام سے "چاپ خانۂ مجلس" میں خوبصورت ٹائپ میں چھپوا کر یونیورسٹی کے انتشارات کے سلسلہ میں (بشمارہ یکصد و پنج) شائع کیا ہے، دانش مند ایرانی کو مثنوی اور صاحب مثنوی کے آثار سے محبت اور شغف اپنے علمی اور مذہبی خاندان سے ورثہ میں ملا ہے، آپ خود مدتوں سے مولانا کے آثار کے مطالعہ اور ان کی تصحیح و اشاعت میں مشغول ہیں مثلاً آپ اب تک ذیل کی کتابیں شائع فرما چکے ہیں۔

(۱) مولانائے روم کی سوانح عمری جلد اول۔

(۲) مولانا کے دیوانِ غزلیات کی دو جلدیں (یہ دونوں جلدیں سال ڈیڑھ سال قبل میں نے دیکھی تھیں)

(۳) "احادیثِ مثنوی" یعنی مثنوی معنوی میں آئی ہوئی احادیث و روایات کے ماخذوں پر مشتمل کتاب۔

(۴) "خلاصۂ مثنوی" یعنی مثنوی کے پہلے دو دفتروں یا حصوں کا خلاصہ اور ان پر مفصل حواشی و تعلیقات۔

(۵) "فیہ ما فیہ" جو فی الحال پیشِ نظر ہے۔

آپ کو اس کتاب کی تصحیح کا خیال مثنوی کے مطالعہ کے دوران میں پیدا ہوا۔ دورانِ مطالعہ میں جب مشکل پیش آئی تو آپ آثارِ مولانا مثلاً دیوانِ غزلیات و مجالس سبعہ و مکتوبات کے ساتھ ساتھ فیہ ما فیہ کے مطبوعہ نسخوں سے بھی مدد لیتے، اس وقت محسوس ہوتا کہ اس کتاب کے مطبوعہ نسخوں کی مزید تصحیح کی ضرورت ہے اس کتاب کے ایران میں دو ایک مخطوطے ملے، مگر وہ غلطیوں سے پُر تھے، اسی سلسلہ میں "کتب خانۂ ملی" کے ایک کارکن آقائے تقی تفضلی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں تین قدیم ترین مخطوطے موجود ہیں، ان تینوں مخطوطوں کے عکس آقائے ڈاکٹر خانلری کے توسط سے حاصل ہو گئے، انہی تینوں مخطوطوں کی بنا پر نسخۂ بدیعی مرتب کیا گیا، یہ کتاب پروفیسر فروزانفر کا ایک کارنامہ ہے، اس نسخہ کی اساس نہ تو ایران کا مطبوعہ (۱۳۳۳ھ یا ۱۳۳۴ھ ہجری قمری مطابق ۱۹۱۵ء والا) نسخہ ہے، نہ ۱۹۲۸ء میں شائع ہونے والا ہندی یا ماجدی نسخہ ہے، اور نہ آپ کو قسطنطنیہ سے حاصل ہونے والے نسخوں میں وہ نسخے شامل ہیں جو مولانا عبدالماجد کے نسخہ کی اساس و بنیاد ہیں، اس لئے فیہ ما فیہ کے نسخۂ بدیعی کے پاکستانی فاضل مترجم جناب تبسم صاحب کا یہ بیان قیاسِ بے اساس ہے کہ پروفیسر بدیع الزمان کو قسطنطنیہ سے ملنے والے نسخے :-

"وہی تھے جن سے مولانا عبدالماجد دریابادی نے پروفیسر نکلسن کی وساطت سے کتب خانۂ آصفیہ والے نسخہ کا مقابلہ کرایا تھا" (ملفوظاتِ رومی کا پیش لفظ ص ۱۱-۱۲)

کیونکہ مولانا عبدالماجد کو ملنے والے استنبولی نسخوں کی تاریخ ۱۱۰۵ھ ہجری قمری سے اوپر نہیں جاتی جب کہ پروفیسر بدیع الزمان کا بنیادی نسخہ ۷۱۶ھ قمری کا لکھا ہوا ہے اور دوسرا نسخہ ۷۵۱ھ کا اور تیسرا نسخہ اواخر ۸۰۰ھ ہجری قمری کا ہے، پھر یہ تینوں نسخے وہی کیسے ہو سکتے ہیں جن سے ماجدی نسخہ والے مخطوطے یا مخطوطوں کا مقابلہ کرایا گیا ہو، ان میں اختلاف ہو سکتا ہے اور جزوی اختلاف ہے لیکن کیوں بیشیوں کو چھوڑ کر باوجود تاریخوں کے اتنے بڑے اختلاف کے ان کا بحیثیتِ مجموعی ہم مضمون اور ہم عبارت ہونا ان کے اصلی ہونے کی روشن دلیل ہے۔

نسخۂ بدیعی سے پہلے شائع ہونے والے ایرانی نسخہ کے متعلق فاضل فروزانفر فرماتے ہیں کہ:۔

"فیہ ما فیہ پس از مقابلہ وتصحیح بالنسبہ دقیقی بسال ۱۳۳۳[1] (ہجری قمری) درطہران بطبع رسیدہ، ولی چون کاتب نسخۂ اصل لعلیتی کہ درآخر کتاب ذکر شدہ تغییری یافتہ۔ اغلاط فاحشی درطبع آں رُخ دادہ ومحتاج بہ اصلاحِ جدید است"

(زندگانی مولانا جلال الدین محمد مشہور بمولوی ط۲ ص۱۶۹ طبع ایران)

اور فاضل موصوف ہمارے مولانا عبدالماجد کے نسخہ فیہ ما فیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"نسخۂ چاپ ہند (مطبع اعظم گڑھ) کہ در سنہ ۱۹۲۸ میلادی بطبع رسیدہ ومستندِ آن ہفت نسخۂ خطی بودہ است از نُسخِ استانبول وہندوستان کہ اقدم آنہا در سال سنہ ۱۱۰۵ (ھ) نوشتہ شدہ، واین نسخہ ہر چند بر نسخۂ طہران رجحان دارد۔ ولیکن ہم موردِ اعتماد نتواند بود۔ ازآن جہت کہ مبتنی بر نُسخِ قدیم ترنیست وتصرفات نساخ درآن راہ یافتہ واضافاتی درآن دیدہ می شود کہ علی القطع والیقین از بیان وخامۂ مولانا تراوش نکردہ است" (مقدمۂ نسخۂ بدیعی فیہ ما فیہ ص ی)

(۱) فاضل فروزانفر کے سامنے فیہ ما فیہ کے دو مطبوعہ نسخے اور چھ مخطوطے ہیں، مگر انھوں نے اپنے نسخہ کی بنیاد ایرانی یا ہندی مطبوعہ نسخوں یا مولانائے روم کی وفات کے بہت بعد لکھے جانے والے مخطوطوں پر رکھنے کی بجائے ان نسخوں پر رکھی ہے جو اس وقت تک کے دریافت شدہ نسخوں میں سے قدیم ترین ہیں اور یہ مخطوطے بھی قسطنطنیہ کے کتب خانہائے فاتح وغیرہ میں موجود ہیں، آپ نے وہاں سے اُن نسخوں کے عکس حاصل کئے، اور پھر اپنا نسخہ تیار کیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ نسخۂ بدیعی کا بنیادی نسخہ یا مخطوطہ فاتح استنبول کے کتب خانہ کا وہ مخطوطہ ہے جس کی تاریخ کتابت سنہ ۷۱۶ ہجری قمری ہے اور

---

[1] سوانح عمری میں جس کتاب کا سال طباعت سنہ ۱۳۳۳ (ھ۔ ق) بتایا گیا ہے، بدیعی نسخۂ فیہ ما فیہ کے مقدمہ کے ص ی میں اسی کتاب کا سالِ طباعت سنہ ۱۳۳۴ ہجری قمری (مطابق سنہ ۱۹۱۵ء) دیا گیا ہے، گو فرق بڑا نہیں مگر پھر بھی ایک سال کا فرق ضرور ہے، شہاب۔

اسکے بعد کے صفحات
۱۲۸ کے بعد مسلسل ہیں

اس کے کاتب کا نام مخطوطہ پر :-

"حسن بن الشریف القاسم بن محمد بن الحسن السمرقندی الحنفی الہامی المولوی"

درج ہے، اس مخطوطہ کی کتابت مولانائے روم کی وفات کے چالیس سال پانچ ماہ اور چھبیس دن بعد مکمل ہوئی اس مخطوطہ میں عربی عبارات کی فصلیں نہیں ہیں، اس نسخہ میں بعض آیات قرآنی کی نقل اور عبارت میں کچھ املائی غلطیاں بھی ہیں اور اس کے رسم خط میں کچھ خصوصیات بھی ہیں مثلاً :-

(الف) اصل مخطوطہ میں دال بے نقطہ اور ذال کو بانقطہ لکھا ہے۔ ؟

(ب) کہ وچہ کو ہائے غیر ملفوظ کی حالت میں بغیر ھا کے لکھا ہے مثلاً بلک۔ اینک۔ آنچ، ہرچ۔ اور بدیعی نسخہ میں اسی رسم خط کی پیروی کی گئی ہے۔

(ج) اس مخطوطہ میں پ فارسی اور بآ میں فرق نہیں کیا گیا۔ پ کو اکثر ب کی طرح بھی لکھا ہے۔

(د) چ چ اور ک گ کو بھی ج اور ک کی طرح لکھا ہے۔

(ھ) بعض جگہ دال کو ت کی صورت میں لکھا ہے، جیسے نمی دیدید کو نمی دیدیت اور نومید بد کو نومیدیت لکھا ہے۔

(و) کلمات بینائی و دانائی (موجودہ طریق املا ایران کی جگہ قدیم طریق کے مطابق) بینای و دانای لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

فاضل موصوف نے اسی مخطوطہ کو "اصل" قرار دیا ہے (دیکھو مقدمہ صفحہ) مقدمۂ نسخۂ بدیعی کی یہ بحث بہت بصیرت افروز ہے۔

(۲) اس "اصل" نسخہ کی کمیوں کو پورا کرنے کے لئے فاضل فروزانفر نے استنبول ہی کے ایک دوسرے قدیم مخطوطے سے استفادہ کیا ہے۔ کہ یہ نسخہ بھی استنبول کے فاتح کے کتب خانہ ہی میں موجود ہے، اس کی تاریخ کتابت روز جمعہ، چہارم رمضان المبارک سال ۷۵۱ھ ہجری قمری ہے یعنی اس نسخہ کی کتابت مولانائے روم کی وفات سے قریباً اناسی سال اور تین مہینہ بعد تمام ہوئی تھی اور اس کے کاتب کوئی بزرگ ہیں جن کا نام ہے۔ "بہاء الدین العادلی السرائی" (مقدمہ نسخہ بدیعی صفحہ ز)

اس نسخہ کو فاضل فروز الفر نے "ح" کا نام دیا ہے۔ کیونکہ:۔

"خصائص املائی ورسم الخط این نسخہ باستثنائے قسمت ھ مانند نسخۂ اصل است"

اور آخر میں لکھا ہے کہ:۔

"این نسخہ از جہت صحت وتمامی در نہایت اعتبار است ودر تصحیح فیہ ما فیہ بانضمام نسخۂ اصل محل استفادہ بودہ وازآن بنسخۂ (ح) تعبیر شدہ است"

(مقدمۂ فیہ ما فیہ نسخۂ بدیعی ص)

اور اسی نسخہ کی مدد سے ان کمیوں کو پورا کیا گیا ہے، جو مذکرۃ الصدر "اصل" مخطوط میں تھیں، یہ نسخہ قرائن سے کسی پہلے سے لکھے ہوئے نسخہ کی نقل معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا مخطوط کتاب خانۂ سلیم آغا استانبول کا ہے، جس کا خط بہت اچھا جاندار نسخ ہے لیکن اس پر تاریخ کتابت درج نہیں، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

"از اواخر قرن ہشتم ہجری مؤخر نیست" (مقدمۂ نسخہ بدیعی ص)

اس نسخہ میں سے پہلے ورق کے بعد کا دوسرا ورق غائب ہے، اس کے علاوہ اور کوئی نقص اس نسخہ میں نہیں، اس میں نسخۂ "ح" سے زیادہ جو دو فصلیں ہیں، اُن کو فیہ ما فیہ کے بدیعی نسخہ میں نسخۂ "اصل" اور نسخۂ "ح" سے مرتب شدہ متن میں جگہ نہیں دی گئی۔ بلکہ الحاق کا درجہ دے کر، موجودہ نسخۂ بدیعی کے ضمیوں کے آخر میں "ملحقات" کے عنوان سے (ص ۳۸۱ تا ۳۸۵) شامل کتاب کر لیا گیا ہے، اس نسخہ کے متعلق فاضل فروز الفر فرماتے ہیں کہ:۔

"از حیث صحت واتقان بپایۂ "اصل" و "ح" نمی رسد وخصائص رسم الخطی آن شبیہ بدانہاست، سوائے آنکہ درین نسخہ فرق میانۂ دال و ذال رعایت نشدہ وپ فارسی ہمہ جا با سہ نقطہ مکتوب گردیدہ است۔

واما این نسخہ در تصحیح فصول عربی وموارد اختلاف وتایید بعضی از مواضع کتاب استفادہ کردہ ایم"

(مقدمۂ نسخۂ بدیعی فیہ ما فیہ ص)

ظاہر ہے کہ جب قدامت کتابت کے لحاظ سے فاضل ایرانی کا (۱) "اصل" نسخہ مکتوبہ ۷۱۶ھ اور (۲) "ح" نسخہ مکتوبہ ۷۵۱ھ اور (۳) تیسرا مخطوطہ آٹھویں صدی ہجری کے آواخر کا ہے، اور یوں یہ تینوں مخطوطے ہمارے مولانا عبدالماجد کے مبینہ نسخوں سے (جن کی تاریخ کتابت علی الترتیب ۱۱۰۵ھ و ۱۱۷۱ھ و ۱۲۶۸ھ ہے، صدیوں پرانے اور قدیم ہیں، اس لئے ایرانی فاضل کا قدیم ترین ترکی مخطوطوں کو ہندی ماجدی نسخۂ فیہ ما فیہ کے بنیادی نسخوں پر ترجیح دینا، بالکل علمی حق اور حقیقت پسندی ہے۔ اسی طرح اگر ہندی ماجدی نسخہ کے متعلق ایرانی فاضل نے کوئی خیال ظاہر کیا ہے، تو ویسا ہی خیال ہندی نسخہ سے پہلے ایران میں شائع ہونے والے نسخہ کے متعلق بھی ظاہر کیا ہے، بلکہ ایرانی نسخہ نعمۃ اللہ شاہی کے مقابلہ میں تسلیم کیا ہے کہ ہندی نسخہ :-

برنسخۂ طبع ایران رجحان دارد۔

تاہم جو کچھ بھی کہا ہے اس کا سبب بھی بتا دیا ہے کہ :-

"مولانا دریا بادی نسخہ کی بنیاد قدیم نسخوں پر نہیں اس لئے وہ قابلِ اعتماد نہیں اور یہ کہ اس میں" حشو و زوائد راستہ پا گئے ہیں　　(پیش لفظ ملفوظات رومی صفحہ ۱۴)

اس پر تبسم صاحب بدگمانی کیوں کریں۔

ہاں جہاں تک دونوں صاحبوں کے پیشِ نظر مخطوطات کی قدامت کا تعلق ہے وہ تفصیلاتِ بالا سے ظاہر و باہر ہے، لیکن رہے "حشو و زوائد" وہ ہمارے سامنے نہیں آئے اچھا ہوتا کہ فاضل فروزانفر کم سے کم دو ایک نظیریں پیش کر دیتے تو طالب علموں کو موازنہ کا موقع ملتا۔

ایرانی فاضل نے اپنے پیشِ نظر "اصل" مخطوطہ کی املائی خصوصیات پر جو گفتگو کی ہے وہ کتاب کی قدر بڑھا دیتی ہے، جس کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے، ان نکتوں کو دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فیہ ما فیہ کہ نسخۂ بدیعی کے محاسن و اہمیت پر ایک اور نظر بھی ڈالتے چلیں۔

زیرِ نظر کتاب (فیہ ما فیہ کا بدیعی نسخہ) کا کُل حجم سرورق ملا کر چار سو صفحوں سے زیادہ ہے، ہر صفحہ پر متن اور حاشیہ کی ۲۴ سطریں آتی ہیں، متن کی ہر فصل نئے صفحہ سے شروع کی گئی ہے، اور ہر صفحہ

کی پہلی سطر کی ابتدا میں لفظ فصل کو جلی کر دیا گیا ہے، مقدمہ چار ورق (ص ح - یب) کا ہے، اس کے بعد "مت ﷺ" ہے، جس پر کتاب کی فہرست مندرجات دی گئی ہے، اصل کتاب کا متن دو سو پینتیس صفحوں کا ہے اور ص ۲۳۶ سے ص ۳۴۶ تک ایک سو دس صفحے مفصل حواشی و تعلیقات کے ہیں۔ یہ حواشی و تعلیقات ہر صفحۂ متن کے ان ذیلی حواشی سے بالکل الگ ہیں جن میں اختلافِ مخطوطات قدم قدم پر دکھایا اور بتایا گیا ہے، تعلیقات نے کتاب کو مصفّٰی اور مجلّٰی آئینہ بنا دیا ہے۔ آیات قرآنِ حکیم اور احادیثِ نبی کریم اور دیگر روایات اور عربی اشعار کو مُشکّل اور مُعرّب کر دیا گیا ہے۔ غریب و قدیم اور مشکل الفاظ کو حل کیا گیا ہے۔ تاریخی شخصیتوں کے باختصار ضروری حالات دیئے گئے ہیں۔ متن میں آنے والے مسائلِ مہمہ کی توضیح و تفہیم کے لئے مولانا روم کی مثنوی اور ان کے دیوان اور حدیقۂ سنائی اور عطار اور سعدی وغیرہ شعرا اور صوفیا، اور بزرگوں کے کلام کے حوالے پوری پابندی و صحت کے ساتھ دیئے گئے ہیں، اگر کسی لفظ یا او قسم کے عقدہ کے حل میں لغت کی کتابوں سے مدد نہیں ملی، تو دوسرے علمی ذرائع اور معقول قیاسات و توجیہات سے حل کرنے کی کوشش کی ہے، قرآنی آیات و روایات و عبارات و اشعار اور عربی فصول کا ترجمہ نہیں دیا۔ متن کو جوں کا توں رہنے دیا ہے، اگر عربی متن میں کہیں صرفی نحوی غلطی محسوس ہوئی ہے تو فٹ نوٹ (پاورقی) میں اپنے علم کے مطابق صحیح فقرہ لکھ دیا گیا ہے، پیشِ نظر بنیادی مخطوطوں میں جو جو اور جتنا جتنا اختلاف ہے اسے متن کے اسی صفحہ کے حاشیہ میں جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا متعلقہ مخطوطہ کا نام دے کر نقل کر دیا۔ اس طریق کا فائدہ یہ ہے کہ بیک وقت تمام متعلقہ مخطوطے قاری کے سامنے آجاتے ہیں، اور وہ اپنے علم و بصیرت و ذوق کے مطابق راجح اور مرجوح کا فرق دیکھ کر صحیح سے اتفاق یا اختلاف کے بارے کوئی آزادانہ رائے قائم کر سکتا ہے، اگر متن کے ایک مخطوطہ کی اختیار کردہ عبارت میں بطور توضیح دوسرے مخطوطے کی عبارت شامل کرنے کی ضرورت پڑی ہے، تو اسے قوسین کے اندر رکھا ہے، اور ذیلی حاشیہ میں اس کا حوالہ دے دیا ہے قرآنی آیات کا حوالہ سورہ کے نام اور آیت کے نمبر سے زیرین حاشیہ میں درج کر دیا ہے، متن کو بے حوالہ ہی رکھا ہے، کیونکہ "اصل" میں یونہی تھا، متن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی بھی صحابی کا نام اگر آیا ہے اور متن میں اس صحابی کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھا ہوا ہے، تو متن میں اسی طرح چھاپا ہے

اور اگر کسی جگہ کسی صحابی یا صحابیوں (مثلاً چاروں خلفائے راشدین) کا نام بدون رضی اللہ عنہ یا عنہم آیا ہے تو اسی طرح چھاپ دیا ہے، البتہ تعلیقات میں سیدنا علی کا نام بڑے ادب سے لیا گیا ہے اور دوسرے ائمۂ ھدی اور خلفاء کے محض ناموں پر اکتفا کی ہے، ہاں اگر کسی صحابی کی برارت میں کوئی بات کہنے کی ضرورت پڑی ہے تو بے تکلف کہدی ہے، مثلاً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اپنے والد کے قتل کی کہانی جو متنِ کتاب میں آئی ہے، فاضل فروزانفر نے اس کی تردید کی ہے، یا سیدنا و مولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی قول کی صحت کے بارے میں اگر کچھ اظہار رائے کیا ہے تو اس کی تصریح و تفصیل علمی کتابوں کے حوالوں پر تمام ہوگئی ہے، ورنہ سوانح مولانا روم کے ص۵ میں مولانا روم کا نسب بیان کرتے ہوئے فاضل فروزانفر نے تسلیم کیا ہے کہ ابوبکر صدیق ؓ کا صدیق خطاب عالمِ اسلام کا مسلمہ خطاب ہے، ہمارے مرزا غالب مرحوم کو مولانا غیاث الدین رامپوری مؤلف غیاث اللغات سے ان کی ہندوستانیت کی وجہ سے ایک چڑھ سی تھی، مگر فروزانفر خالص ایرانی اور ایران زا ہوتے ہوئے، حسب ضرورت "غیاث اللغات" سے بھی استفادہ کرلیتے ہیں، اگر متن کی کسی عربی عبارت کی صحت میں شک ہو تو متن میں کسی قسم کی ادل بدل تو نہیں کرتے البتہ حاشیہ میں ضرور اپنے خیال کے مطابق اصلاح کردیتے ہیں، مثالوں کی ضرورت نہیں، جو شخص کتاب دیکھے گا وہ ہم سے زیادہ اس کتاب کی خوبیاں دیکھ لے گا، تاہم مختصر طور پر ذیل میں فہرست مندرجات سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

۱ـ مقدمۂ مصحح ـــــــ ص ج تا یب

۲ـ متن کتاب (فیہ مافیہ) ـــــ ص ۱ - ۲۳۵

۳ـ حواشی و تعلیقات ـــــ ص ۲۳۶ تا ۳۴۶

۴ـ فہرست احادیث ـــــ ص ۳۴۷ تا ۳۴۹

۵ـ فہرست کلمات بزرگان و امثال ـــ ص ۳۵۰ - ۳۵۱

۶ـ فہرست اشعار عربی ـــــ ص ۳۵۲ - ۳۵۳

۷ـ فہرست اشعار فارسی ـــــ ص ۳۵۴ - ۳۵۸

۸ - فہرستِ لغات و تعبیرات ص ۳۵۹-۳۶۲

۹ - فہرستِ اسماء رجال و نساء ص ۳۶۳-۳۷۳

۱۰ - فہرستِ قبائل و اقوام و فرق ص ۳۷۴

۱۱ - فہرستِ اسماء اماکن و بلاد ص ۳۷۵-۳۷۶

۱۲ - فہرستِ اسامی کتب ص ۳۷۷-۳۸۰

۱۳ - ملحقات ص ۳۸۱-۳۸۵

۱۴ - غلط نامہ ص ۳۸۶

فاضل محترم آقائے بدیع الزماں فروزانفر کے صاحبِ مثنوی اور ان کے علمی آثار کے متعلق جو جو نتائجِ تحقیق و تلاش نظر سے گزرے ہیں، ان تمام میں یہی حزم و احتیاط، یہی شوق و ولولہ اور یہی علمی جستجو اور طلبِ علم کی سیرابی کے لئے جد و جہد کام کر رہی ہے! اپنے کام سے یہ عشق مرحوم پروفیسر ڈاکٹر نکلسن[1] کو چھوڑ کر — اگر ہمارے ہندوستان کے عشاق و دلدادگانِ مثنوی میں یہ شان اور علمی ذوق و شوق اور حقیقت معلوم کرنے کی لگن کسی میں پائی گئی تو وہ حضرت قاضی تلمذ حسین صاحب ایم، اے گورکھپوری مرحوم سابق ملازم سابق سرکارِ دکن کی ذات ہے، آپ نے اس سلسلہ میں کیا کیا گراں قدر علمی خدمات انجام دیں اور مثنوی اور صاحبِ مثنوی کے بارے میں کیا کچھ ارادہ رکھتے تھے، اس کے ثبوت میں موصوف کی کتاب کے منظم و مکمل انتخاب "مرآۃ مثنوی" کا نام لے دینا کافی ہے۔

---

[1] یہ مقالہ ۱۹۶۱ء میں لکھا گیا اور اس میں ترمیم و تنقیح آج تک ہو رہی ہے، اپریل ۱۹۶۳ء میں انگلستانی مستشرق علماء کے حالات میں پروفیسر آربری کی کتاب نظر سے گزری، اس کتاب میں موصوف نے اپنے استاد پروفیسر نکلسن مرحوم کا مفصل تذکرہ "درویش" کے عنوان سے بڑی والہیت سے پورے سخن شناسانہ انداز میں لکھا ہے، پروفیسر نکلسن کی موت کے حادثہ کو ایران کے اہلِ علم و نظر نے کس شدت سے محسوس کیا اور ان کی وفات کو ادبیاتِ ایران کے لئے کتنا نقصانِ عظیم سمجھا، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دانش کدۂ تہران کی مجلس علماء نے ایک جلسۂ خاص ترتیب دیکر اُن کی وفات پر اظہارِ تاسف کیا اور اسی مجلس میں پروفیسر فروزانفر نے اپنا لکھا ہوا ڈاکٹر نکلسن کا دردناک مگر حقیقت پسندانہ مرثیہ پڑھا، جس میں مرحوم کے محاسن و کمالاتِ علمی کا کھُلے دل سے اظہار کیا ہے، اس مرثیہ کا انگریزی ترجمہ اپنی کتاب میں پروفیسر آربری نے چوالیس شعروں یا اٹھاسی بیتوں میں پیش کیا ہے۔

شہاب
۲۲ مئی (چہارشنبہ) ۱۹۶۳ء

پروفیسر فروزانفر نے اپنے نسخۂ " فیہ ما فیہ " کی ٹائپ کی چھبیس[۲۶] بڑی غلطیوں کی ایک جدول کی صورت میں تصحیح کردی ہے، میرا خیال ہے کہ غلطیاں یا معمولی غلطیاں ابھی اور باقی ہیں، جن کی تصحیح نہیں کی گئی، مثلاً اسی بدیعی نسخہ کے مقدمہ میں آخری سطر سے اوپر کی سطر میں " د " سے پہلے چھپا ہے " وقفہ اللہ " حال آں کہ ہونا چاہئے۔ " وفقہ اللہ " دیکھئے ایک نقطہ کے ذرا اُدھر سے اِدھر ہوجانے سے لفظ کی شکل اور بات کیا سے کیا بن گئی، اس لئے قدیم مخطوطات یا آج کی تحریروں میں تصحیح اور مقابلہ کے وقت، ہر چھوٹے بڑے فرق اور امتیاز واختلاف کو یہی نکتہ زیر نظر رکھ کر ظاہر اور نمایاں کرنا کسی قسم کی خود نمائی یا کوہ کندن وکاہ برآوردن" نہیں بلکہ علم کی خدمت اور اعلاء حق کی مستحسن سعی ہے۔

جیساکہ اوپر ذکر ہوا، مولانا عبدالماجد نے تو معین الدین پروانہ کے نام اور عہدہ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ لیکن ہمارے ایرانی فاضل نے اپنے نسخہ کے متن کے (ص۳ سطر ۱۸ اور صفحہ ۵ سطر ۱۲) پر مفصل حواشی و تعلیقات کے ذیل میں ص۲۴۲-۲۴۱ پر پوری اٹھارہ سطروں میں پروانہ کے ضروری حالات اور اس کے عہد کی سیاسی حالت کی پوری تصویر پیش کی ہے۔

غرض یہ نسخہ اتنا اچھا اور اس اہتمام سے چھپا ہے کہ اسے دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور کی لہر دوڑ جاتی ہے، یاد رہے کہ پروفیسر فروزانفر کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ جہاں تک بن پڑے قدیم ترین نسخوں کی بنا پر ایک جامع نسخہ تیار کیا جائے، آپ اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں، صحت کے علاوہ یہ بھی غرض تھی کہ متن کو حل کرنے کے لئے ضروری حواشی و تعلیقات لکھے جائیں، اس میں بھی آپ کامیاب ہوئے ہیں، جو بات کہی ہے اس کا ثبوت دیا ہے، محض قیاس آرائی سے کام نہیں لیا، اور کسی قسم کی جنبہ داری اور ذہنی زور آزمائی یا مناظرانہ منطق نہیں برتی گئی، میرا دعویٰ یہ نہیں نہ پروفیسر فروزانفر کا یہ دعویٰ ہے کہ نسخۂ بدیعی علمی تحقیقات کی آخری منزل ہے، اور اس کے آگے کچھ نہیں، بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ اس بارے میں اس وقت تک کی تحقیقات اور علمی کاوش کا بہترین نمونہ ہے، ورنہ کام کرنے والوں کے لئے کام کی ناپیمودہ و نادیدہ راہیں ابھی اور بہت سی باقی ہیں، اور ہمیشہ رہیں گی۔

گلہائے رنگا رنگ

فیہ ما فیہ کا ایرانی "شرکت سہامی" ایڈیشن
ایک طالبِ علم کی نظر میں !

(۲)

فیہ ما فیہ کے مذکورہ بالا دو ایڈیشنوں کے علاوہ ایک تیسرا ایڈیشن بھی بمبئی کے ایک ایرانی کتب فروش آقائے خاضع کے کتب خانہ اور بمبئی یونیورسٹی لائبریری میں نظر سے گزرا۔ جسے "شرکت سہامی ناشرین کتب ایران تہران" نے اپنے سرمایہ اور اہتمام سے شائع کیا ہے، کاغذ اور ٹائپ اچھا ہے، چھپائی کی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں، غلط نامہ دیا نہیں گیا، اس نسخہ کی تصحیح و مقابلہ میں "نُسخ خطی و چاپی" سے بھی مدد لی گئی ہے کتاب کے دو حصہ ہیں، پہلا حصہ جو دوسو اکہتر ۲۷۱ صفحوں کا ہے وہ "تقریرات لسان العارفین جلال الدین محمد رومی قدس سرہٗ" پر مشتمل ہے، اور دوسرا حصہ یا کتاب کی دوسری جلد ایک سو تیئیس ۱۲۳ صفحوں پر حاوی ہے، یہ دوسری جلد "تالیف مولانا بہاء الدین نعم الخلف مولانا رومی قدس سرہٗ" ہے۔

پہلی جلد میں اکثر فصلوں کا نمبر دیا ہے اور چند کا نہیں بھی دیا، اور جلد ثانی میں فصلوں کا نمبر شمار نہیں دیا گیا۔ قرآنی آیات کا حوالہ حاشیہ میں دیا ہے۔ اور نمبر ۱-۲-۳- وغیرہ دے کر متن کی عبارت کے بعض لفظوں سے اختلاف بھی ظاہر کیا گیا ہے، یہ ایڈیشن اسی ایرانی ایڈیشن کا دوسرا ایڈیشن معلوم ہوتا ہے، جس کا ذکر پروفیسر فروزانفر نے اپنے مرتّبہ نسخہ فیہ ما فیہ کے مقدمہ کے صی کے نمبر ۸ پر کیا ہے یعنی وہ نسخہ جسے مشائخ نعمۃ اللہیہ کے (رشتۂ گنا باد) کے شیخ مرحوم حاج عبداللہ حائری نے ۱۳۳۴ھ بحری قمری یا ۱۹۱۵ء میں شائع کیا تھا۔ واللہ اعلم موجودہ ایڈیشن کی طباعت و اشاعت کی کوئی تاریخ نہیں دی گئی، نہ یہ بتایا گیا کہ وہ کون سے مخطوطات یا مطبوعہ نسخے تھے، جن کو اس نسخہ کی ترتیب و تہذیب میں سامنے رکھا گیا ہے، اور نہ ان فاضلوں کے نام بتائے گئے ہیں۔ جنہوں نے اس کی تصحیح کا فرض ادا کیا ہے، نہ یہ بات بتائی گئی ہے کہ متن کی تصحیح و مقابلہ میں کن اصول کی پیروی کی گئی ہے، اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایڈیشن پروفیسر فروزانفر کے نسخہ کی اشاعت کے بعد چھپا، اور شائع ہوا ہے کیونکہ جلد اوّل کے آخری صفحہ پر "ملحقات" کے عنوان سے جو تین فصلیں بایں تصریح نقل کی گئی ہیں کہ:-

"این فصول از روی نسخۂ دانش گاہ نقل گردید"

یہ منقولہ فصلیں فیہ ما فیہ کے بدیعی یا نسخۂ دانش گاہِ تہران کے "ملحقات" کی ابتدائی تین فصلیں ہیں۔ جو بدیعی نسخہ کے ایک صفحہ اور چار سطروں میں آئی ہیں اور اِس نسخہ کے صرف ایک صفحہ میں سما گئی ہیں، بدیعی نسخہ کے "ملحقات" کی چوتھی فصل جو انّا فتحنا کی تفسیر پر مشتمل ہے اور جو بدیعی نسخہ میں چار سطر کم چار صفحوں میں آئی ہے، وہ اِس "شرکت سہامی" والے زیرِ نظر نسخہ میں پوری کی پوری شامل ہی نہیں کی گئی اور شامل نہ کرنے کا کوئی سبب بھی نہیں بتایا گیا، فاضل فروزانفر نے اپنے نسخہ کے آخر میں، زیرِ عنوان "ملحقات" ان فصلوں کو نقل کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :-

"این فصول در نسخۂ اصل وجود ندارد تکمیلاً للفائدہ از روی نسخۂ سلیم آغا نقل می شود
(فیہ ما فیہ نسخۂ بدیعی ص۲۸۱)

بدیعی نسخہ کے اصل متن اور اس نسخہ کے متن میں بھی باہم اختلاف[1] نظر آتا ہے۔

اِس نسخہ کے دو دیباچہ ہیں، پہلا دیباچہ حضرت شیخ حاج عبداللہ حائری صاحب کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جو کتاب کے ص۲ سے ص۱۱ تک پھیلا ہوا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ اس نسخہ کی تکمیل و تدوین میں حضرت شیخ کو دو خوانساری علماء سے مدد ملی ہے، ان میں سے ایک شیخ الاسلام محمد حسین خوانساری ہیں اور دوسرے شریعت مآب آقائے میرزا ہاشم خوانساری، دوسرا دیباچہ خود انہی جناب شریعت مآب آقائے میرزا ہاشم خوانساری کا نوشتہ ہے، اور یہ دوسرا دیباچہ بھی ص۱۲ سے ۱۸ تک پھیلا ہوا ہے، ان دونوں دیباچوں میں کتاب کے قاریوں کو اس بات کا یقین دلانے پر زور دیا گیا ہے کہ مولانا رومی اثنا عشری فرقہ میں شامل ہو گئے تھے، اور بوجہ "زمان تقیہ" اور "بلاد تقیہ (ص۱۲) میں مقیم ہونے کے یہ بات صاف صاف نہیں کہہ سکتے تھے، ورنہ اُن علماء کے نزدیک "دیوان شمس تبریز" مطبوعہ ہند کی بعض غزلوں اور کچھ اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا نے "عمرؓ"

---

[1] اختلاف کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے اگر "شرکت سہامی" کے اسی زیرِ نظر نسخہ کے ص۱۶۷ کو نسخۂ ماجدی کے ص۱۳۶ اور نسخۂ بدیعی کے ص۱۲۵ کے بالمقابل رکھ کر غور ایک نظر دیکھ لیا جائے تو اس نسخہ کی علمی حیثیت کے متعلق پروفیسر بدیع الزماں فروزانفر کا اعتراض خود بخود واضح ہو جائے گا، شہاب مالیر کوٹلوی ۱۴-۴-۱۹۶۳ء (روز جمعہ)

سے پیمانِ وفا تو ڑکر" علیؓ" اور ان کے اخلاف معروف بہ ائمہ عشر سے جوڑ لیا تھا، جنھوں نے آقائے فروزانفر کا مصحوبہ دیوانِ شمس دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ موصوف نے دیوانِ شمس کے اضافات والحاقات کے بارے میں کیا روش اختیار کی ہے، مگر چونکہ فی الحال اس نسخہ یا اس کے دیباچوں کے بیان و استدلال سے بحث نہیں، اس لئے اس موضوع پر کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

کتاب کا دوسرا حصہ یا کتاب کی دوسری جلد جو حضرت سلطان ولد کی تصنیف بتائی گئی ہے اس کے صفحہ ۲۵ پر ذیل کی رباعی موجود ہے:۔

ہ آدمی زاد طرفہ معجون است
ازفرشتہ سرشتہ وزحیوان
گرکند میل این شود کم ازین
ور رود سوی آن شود بہ ازآن

(باقی)

معارف الآثار

"معارف الآثار" اُردو کی (OREGNAN) کتابوں کی مختصر فہرست میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اور اثریات (ARCHEOGY) کے موضوع پر اُردو میں سب سے پہلی کتاب ہے، تاریخِ قدیم کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے مصنف محترم نے دریائے سندھ اور بحیرۂ اسود کے دریاؤں کے علاقوں کی تاریخ جغرافیہ، آثارِ قدیم اور تہذیبوں کا تعارف اور ان کے مطالعہ سے مختلف نتائج مرتب فرمائے ہیں۔ جن کا مطالعہ ہر صاحبِ فکر کے لئے ضروری ہے، دورانِ جنگِ عظیم ثانی مصنف محترم نے ایران اور عراق کے ان علاقوں کا دورہ کیا تھا، جو دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں کا مرکز تھے آپ اپنے مشاہدے اور مطالعے کی بنا پر نوٹس فرماتے رہے جو بعد ترمیم و اضافہ شائع کئے جا رہے ہیں، ایک انتہائی دلچسپ اور معلوماتی کتاب ہے، عمدہ کتابت و طباعت، صاف چکنا کاغذ ۱۷۰ صفحات، بڑا سائز۔ قیمت مجلد چار روپے بلا جلد تین روپے

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ برہان، اُردو بازار جامع مسجد دہلی